فہم قرآن کے تقاضے اور ترجمہ قرآن حکیم

ڈاکٹر عمر حیات ☆

I discussd the requirements to understand the Holy Quran and impacts of this understanding upon the life of a Muslim. I categorically discussed the characteristic of Quranic teachings in the light of its understanding. I gave necessary details of the preaching aspect of the Holy Quran.

بعثت محمدی ﷺ کا سب سے بڑا اور زندۂ جاوید معجزہ قرآن ہے جس کی عظمت کا بیاں شاید انسان کے بس میں نہیں۔ ہر دور کے مشکوک اور متذبذب ذہن کو یہ صرف قرآن کا چیلنج ہے کہ ”وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ“(۱)

سلسلۂ رُشد و ہدایت کے مکمل ہونے کے بعد صرف قرآن ہے جو صفت لاریب سے متصف ہے ”ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ“ (۲) گویا ہر لحاظ و ہر انداز سے مبنی برحق وصداقت قرآن ہی ہے جو ”هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ“ (۳) اور ”هُدًى لِّلنَّاسِ“ ہے۔(۴) عالم انسانیت کے لیے صراطِ مستقیم کا راز قرآن میں مضمر ہے ”اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ“ (۵) یہی قوموں کے عروج وزوال کا معیار ہے۔ ”يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ“ (۶)

قرآنِ حکیم انسان کی اوّل و آخر ضرورت ہے جس کے بغیر نہ مادی زندگی کے تقاضے کماحقہٗ پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی رُوحانی زندگی نشوارتقاء سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔ انسان کے حقیقی معنوں میں انسان بن کر رہنے، معاشرے میں صحیح انسانی کردار ادا کرنے اور آخرت میں فلاح یاب ہونے کا انحصار قرآن پر ہے۔ اس لیے اس کا فہم وادراک انسان پر لازم ہے اور اسلامی زندگی کا تو تصور

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

ہی بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے اگر صحیح معنوں میں کلام اللہ کا پیغام نہ سمجھا جائے۔قرآن فہمی ہی اصل اسلام فہمی ہے۔

اگرچہ فرمادیا گیا''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِر'' (۷) تحقیق ہم نے قرآن کو سہل کر دیا تا کہ لوگ اِس سے نصیحت حاصل کریں تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کے سہل اور آسان ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیا کوئی بغیر کسی معیار پر پورا اُترے اس کو سمجھ سکتا ہے اور نصیحت حاصل کر سکتا ہے؟ یا فہمِ قرآن کے لیے کوئی با قاعدہ معیار ہونا چاہیے تا کہ اِس کے پیغام کی رُوح تک رسائی ممکن ہے۔

بات یہ ہے کہ قرآن 'الکتاب' ہے، یعنی کتاب خاص ہر لحاظ سے، جس کی آگے پیچھے کوئی مثال نہیں ہوسکتی ''فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِثْلِه'' کے الفاظ میں قرآن کا چیلنج گزشتہ چودہ صدیوں سے من وعن اپنی جگہ قائم ہے۔

''قرآن پاک دعویٰ کر رہا ہے کہ تم سب خطیب، شاعر، ادیب، نقاد وغیرہ مل کر بھی اس قرآن کی سورت جیسی سورت لے آؤ۔ یہ بہت بڑا دعویٰ اور چیلنج ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے نہ صرف عرب دُنیا بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔''(۸)

فصاحتِ عرب جس کی تاب نہ لاسکی، اس کے آگے اور کون ٹھہر سکتا ہے! ربِ کائنات نے عالم انسانیت پر کمال لطف وکرم فرماتے ہوئے قرآن کو بایں معنی تو نہایت آسان بنادیا کہ اس میں کوئی دقیق فلسفیانہ ومنطقیانہ موشگافیاں نہیں، جن میں انسانی عقل اور فہم وشعور اُلجھ کے رہ جائے اور کچھ نہ سمجھ پائے۔

مولانا افتخار احمد بلخی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

''قرآن فن مباحثہ وعلم کلام کے قواعد ونظائر سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود منطقی اور کلامی طرز واسلوب سے خالی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ منطقی طرزِ استدلال اور کلامی اسلوب برہان اکثر و بیشتر مخاطب کو لاجواب اور ساکت تو کر دیتا ہے لیکن اس کے دِل سے تردّد اور شک کے کانٹے نکال کر انشراح واطمینان کی ٹھنڈک نہیں پہنچاتا لیکن دعوتِ حق کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔''(۹)

اسی بات کی صراحت میں سیّد قطب شہیدؒ نے لکھا کہ

''متکلمین صدیوں تک عقیدۂ توحید کے بارے میں ذہنی مباحث میں اُلجھے رہے مگر اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ قرآنِ کریم نے چند سالوں میں جو کچھ کر دِکھایا علم الکلام کے علماء اس کا عشرِ عشیر بھی انجام نہ دے سکے۔''(۱۰)

نزولِ قرآن کا مقصد انسان کو مشقت اور پریشانی میں ڈالنا نہیں تھا بلکہ مناسب سہولت بہم پہنچانا تھا تاکہ بنی نوع انسان کی راہِ عمل آسان ہو اور وہ فلاح سے ہمکنار ہو سکے۔ اسی لیے افصح لسان عربیٔ مبین میں نازل کیا گیا، جس سے عرب بخوبی واقف تھے۔

اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول:

''بہر حال قرآن مجید کی زبان ہر قبیلے کے لیے قابلِ فہم ہے اور ہر عرب قبیلہ اس کی زبان سے مانوس اور واقف و آشنا ہے۔''(۱۱)

قرآن کا فہم کوئی معمولی بات نہیں۔ بے مثال کلام اور خاص کتاب ہونے کے ناطے اِس کا فہم بھی خاص ہے، جس کے لیے خاص معیار کی ضرورت ہے۔ بڑے زرخیز ذہن کی ضرورت۔ اِس معیار پر سب سے پہلے حضور سیّدِ عالم نبی مکرم رسولِ مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس فائز ہے اور پھر درجہ بدرجہ آپ ﷺ کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم، انھوں نے جس انداز سے اور جن تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حاملِ قرآن سے قرآن کا فہم حاصل کیا۔ آج بھی انھی تقاضوں کا لحاظ ناگزیر ہے۔

خلوص ایمان و ایقان:

دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور قرآنِ حکیم سے استفادہ کرنے کی شرط اوّل ایمان ہے۔ یعنی اللہ اور اُس کے دِین کی ہمہ گیر صداقت کو قلب و نظر کی گہرائیوں سے تسلیم کر لینا اور باطل کو رد کر دینا۔ قرآن کا بنیادی مقصد انسان کو ہدایت فراہم کرنا ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے جن کا اس پر ایمان بھی ہے۔ ''وَالذین یومنون بما اُنزلَ الیکَ'' (۱۲)

قرآن حکیم میں کم و بیش 16 مقامات پر ایمان لانے کے حوالے سے اَمر کا صیغہ آیا ہے، جس میں بذاتِ خود قرآن پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔(۱۳)

ایمان لائے بغیر قرآن کے ساتھ قلبی لگاؤ پیدا نہیں ہوسکتا جس کے بغیر اس کا فہم و ادراک بعید از فہم و قیاس اور خارج از اِمکان ہے۔ اگرچہ بڑے بڑے غیر مسلموں نے بھی فہمِ قرآن کے دعوے کیے ہیں تاہم اُن میں سے اگر تو کسی نے نیک نیتی سے قرآن کا فہم حاصل کیا تو اللہ نے اسے سرشار کیا۔ ایسے بہت سے لوگ اسلام قبول کر کے پختہ اہلِ ایمان ثابت ہوئے اور جس نے منفی نکتۂ نظر سے ایسا کیا تو اِس کا فہم اُس کے لیے مزید سرکشی کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے گمراہ کن پروپیگنڈا ثابت ہوا، گویا حقیقت میں وہ قرآن کو سمجھنے سے قاصر ہی رہا۔ کفار و مشرکین کی قرآنی ہدایت سے محرومی کی وجہ تو بالکل واضح تھی یعنی اُن کا اعلانیہ اور دانستہ کفر و شرک اور اُس سے باز نہ آنے کا عزم جس کے بارے میں "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" کے الفاظ نازل ہوئے۔ لیکن منافقین جنھوں نے مسلمانوں کے لبادے میں قرآن اور حاملِ قرآن کے ساتھ استہزاء کیا اور قرآن کے اصل مفہوم کو اپنی مرضی کے معانی پہنانے کی کوشش کی، اس خودفریبی کے ہاتھوں گمراہی کی دلدل میں دھنس گئے۔ قرآن کہتا ہے:

"قل هُوَ لِلَّذِيْنَ آمنوا هُدًى وَّشِفَآء والَّذِيْن لَايُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِم وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِم عَمًى اُوْلٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيْدٍ"(۱۴)

طے ہو چکا کہ ایمان کے بغیر ہدایت نہیں۔ فہم و ادراک کی توفیق نہیں۔

معیاری ایمان تمسک بالقرآن کا سبب بنتا ہے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا جسے قرآن علامت کے طور پر پیش کرتا ہے اور متقاضی ہے کہ لوگ اُن کی طرح ایمان لائیں۔

صاحب "معارف القرآن" رقم طراز ہیں کہ

"ایمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کوئی شخص کسی عقیدہ کا نیا مفہوم بنائے اور اُس عقیدہ کا پابند ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مومن مسلمان بتلائے اور مسلمانوں کے نماز، روزہ میں شریک بھی ہو، مگر جب تک وہ قرآن کے اس بتلائے ہوئے معیار کے مطابق ایمان نہیں لائے گا اُس وقت تک وہ قرآن کی اصطلاح میں مومن نہیں کہلائے گا۔"(۱۵)

فہم قرآن کی ضرورت کا احساس:

کوئی بھی ذی جان بھوک پیاس کے احساس کے بغیر کھانے پینے کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ عصرِ حاضر میں نظریۂ ضرورت اگرچہ کچھ مخصوص حالات و واقعات کی بنا پر متنازعہ حیثیت اختیار کر گیا ہے تاہم بنیادی طور پر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جسمانی بھوک پیاس کی طرح باطنی اور رُوحانی تشنگی کا معاملہ ہے جو سراسر الہامی ہدایت کا متقاضی ہے مگر اِس الہامی صحیفۂ ہدایت یعنی قرآن کا فہم اُسے میسر نہیں آ سکتا جسے اس کی ضرورت کا احساس نہ ہو۔

سیّد مودودی لکھتے ہیں:

> ''قرآن کی ہدایت کا دروازہ ان سب لوگوں پر بند ہے، جو سرے سے اِس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہیے یا اِس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لیے وحی و رسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں اور خود کچھ نظریات قائم کر کے انھی کو خدائی ہدایت قرار دے بیٹھیں، یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں مگر صرف اس کتاب یا ان کتابوں پر ایمان لائیں، جنھیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں...... ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمۂ فیض صرف ان لوگوں کے لیے کھولتا ہے جو اپنے آپ کو خدائی ہدایت کا محتاج بھی مانتے ہوں۔'' (۱۶)

تقویٰ و تزکیۂ نفس:

قرآنِ حکیم جو رُشد و ہدایت کا سرچشمہ اور حکمت و دانائی کا مصدر و ماخذ ہے۔ اس کا فہم اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان تقویٰ و تزکیۂ نفس سے بھی آراستہ ہو کیونکہ یہی اصل ہدایت اور حکمت ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اُسی کے اختیار میں ہے اور یہی سب سے بڑی بھلائی یعنی خیرِ کثیر ہے۔ فرمایا گیا:

''مَن یُّوتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْراً كَثِيْراً'' (۱۷)

لہٰذا جب تک دل میں تقویٰ نہ ہو گا یعنی اللہ کا خوف، اُس کی جلالتِ شان کا احساس، تب تک حکمت و دانائی، یعنی فہم قرآن حاصل نہ ہو گا۔ حضور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رَأسُ الْحِکْمَةَ مَخَافُةَ اللّٰہِ" یعنی حکمت کی بنیاد اللہ کا خوف ہے۔

حقیقت میں تقویٰ عظیم باطنی کیفیت ہے جس سے کسی انسان میں حصولِ حکمت کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے دِل پر نصیحت کارگر ثابت ہوتی ہے اور وہ کلام اللہ کے فہم سے ہمکنار ہوتا ہے جس سے وہ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت میں تمیز کرتے ہوئے زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

سیّد مودودیؒ لکھتے ہیں:

"جس شخص کے دِل میں خدا کا خوف اور انجام بد کا اندیشہ ہوگا اُسی کو یہ فکر ہوگی کہ میں غلط راستے پر تو نہیں جا رہا ہوں اور وہی اللہ کے اُس بندے کی نصیحت کو توجہ سے سنے گا جو اُسے ہدایت اور گمراہی کا فرق اور فلاح وسعادت کا راستہ بتا رہا ہو۔"(۱۸)

چنانچہ یہ بالکل ایک اصولی بات قرار پاتی ہے کہ اللہ کے کلام کی تفہیم اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے اُس کا خوف بھی لازم ہے۔ جب کہ اللہ کی طرف سے یہ بات فیصل ہو چکی ہے کہ قرآن بالخصوص "ھُدیً لِّلْمُتَّقِینَ" ہے۔

فہم قرآن کے لازمی تقاضے کے طور پر اتقاء اثر پذیری اور قبولیتِ حق کی صلاحیت ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے لکھا ہے کہ

"اِتقاء سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص روحانی اعتبار سے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کلامِ الٰہی کو سن کر اس کا اثر قبول کر سکے۔"(۱۹)

سعی فہم:

تقاضائے فہم قرآن یہ بھی ہے کہ اِس کے لیے سعی بلیغ سے کام لیا جائے۔ ورنہ ایمان و اتقاء کے ہوتے ہوئے بھی قرآن سے استفادہ ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اصولِ فطرت ہے کہ "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ" (۲۰) اور کہا جاتا ہے کہ "مَن جَدَّوَجَدَ" جس نے کوشش کی اُس نے مراد پائی۔

قرآن کہتا ہے:

"اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" (۲۱) (کوشش نہیں تو کچھ بھی نہیں)

گویا حصولِ مقصد کے لیے جہدِ مسلسل شرطِ لازم ہے۔

اصحابُ النبی نے قرآن کے فہم و ادراک کے لیے زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ ایمان لانے کے بعد اُن کی ترجیحات کا رُخ ہی بدل گیا اور مقصدِ زندگی صرف اور صرف فہمِ قرآن اور اطاعت رسول ﷺ ہو کے رہ گیا تھا، مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم اور مدینۃ النبی میں صفہ حامل قرآن ﷺ کی قائم کردہ وہ درس گاہیں تھیں جہاں سے سب سے پہلے فہمِ قرآن کے چشمے پھوٹے، جن کی فیض رسانیوں نے تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اصحابِ کرامؓ نے حامل قرآن ﷺ کی ذاتِ اقدس سے براہِ راست قرآن کا فہم حاصل کیا۔ اس مقصد کے لیے دِن رات ایک کر دیے اور فہم قرآن کی رُوح کو پانے کے لیے سعی بلیغ کا حق ادا کر دیا، وہی تو ہیں جنھوں نے قرآن کو اس کے صحیح تر تناظر میں سمجھا اور اس کے عملی تقاضوں کو مشیتِ ایزدی کے عین مطابق پورا کیا۔ جبھی تو ان کو رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ (۲۲) کا الہامی سرٹیفکیٹ جاری ہوا۔ ایمان وتقویٰ اور قرآن فہمی کے جس معیار پر وہ فائز تھے، اُمت میں سے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے لیے فہم وشعور کی راہوں کو روشن کیا جا سکتا ہے۔

> ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مطالعۂ قرآن میں تین طریقے استعمال کیے۔ حضور ﷺ سے دریافت کرنا، ایک دوسرے سے دریافت کرنا اور خود غور وفکر کرنا۔'' (۲۳)

ذوقِ عربیت/محاورہ عرب کا رسوخ:

فہمِ قرآن کے لازمی تقاضوں میں سے ذوقِ عربیت بھی ہے۔ قرآنِ حکیم کی زبان (عربی) اپنے الفاظ وتراکیب، معانی ومفہوم، محاورہ واسلوب، زبان و بیان غرض ہر لحاظ سے ممتاز ومنفرد ہے۔ اس کے اولین مخاطبین عرب تھے جو اس زبان کے نشیب وفراز اور اسرار و رموز سے آشنا تھے۔ ذوقِ عربیت کیا ہے؟ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے بقول:

> ''یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربیت سے مراد عربی زبان کی صرف اتنی اِستعداد نہیں ہے کہ کوئی شخص عربی سے اُردو میں یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر سکے صرف اتنی اِستعداد سے ایک شخص قرآن کی اجمالی مراد تو سمجھ سکتا ہے لیکن جب تک اس کا ذوقِ عربیت پختہ نہیں ہوگا، اور امام شافعیؒ کے بقول جب تک اس میں کسی عربی عبارت کو عربی کے ہی اندازِ فہم وتعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوبِ

بیان اور اس کے مخصوص اندازِ تعبیر سے واقف نہیں ہو سکے گا۔''(۲۴)

یہ تو عربیت کا معاملہ ہے۔ ہر زبان کے حقیقی مفہوم تک رسائی کے لیے یہی قاعدہ ہے۔ مختلف دیگر زبانیں بولنے اور جاننے والے بھی برابر نہیں ہوتے، ایک ہی بات ہوتی ہے مگر ذوق سے عاری شخص پر اُس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا جب کہ اگر صاحبِ ذوق اُسے سنتا ہے تو بے اختیار سر دھنتا ہے۔ مثال کے طور پر حکیم مومن خاں مومن کا ایک سادہ سا شعر ہے:

؎ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

نجانے کتنے لوگوں نے پڑھا اور سنا ہو گا مگر کہتے ہیں کہ جب مرزا غالب نے سنا تو یوں حسرت کا اظہار کیا کہ کاش! مومن یہ ایک شعر مجھے دے دیتے اور اس کے عوض میں میرا پورا دیوان مجھ سے لے لیتے۔

قرآنی سیاق وسباق اور علوم القرآن سے واقفیت:

قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے جملہ امور میں سے اس کے سیاق و سباق سے آ گہی بھی اشد ضروری ہے جو فہمِ قرآن کے لازمی تقاضوں میں سے ہے۔ اس کے بغیر مراد اصلی تک رسائی ممکن نہ ہوگی۔

مثال کے طور پر قرآن کہتا ہے "**واذکروا اللّٰہ فی ایام معدودات**" (۲۵)

اب اگر اس جملۂ قرآن کو الگ تھلگ کر کے دیکھا جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں اللہ کو یاد کرنے کا ایک عمومی حکم دیا گیا ہے، لیکن اگر اِس کے سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو اصل مطلب سمجھ میں آ جائے گا کہ اس سے مراد ایام تشریق کے دوران رمی جمار ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہوسکتی ہیں۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی سیاق وسباق کو فہمِ قرآن کی لازمی شرط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر ہی اس کی تفسیر و تاویل کی جرأت نہ کی جائے بلکہ تمام قرآن مجید کا مطالعہ بنظرِ عمیق کر کے قرآن کی زبان اور اس کے طرزِ ادا و طریقۂ بیان کے ساتھ ایک ایسی مناسبت پیدا کر لی جائے کہ تعیین مراد میں کوئی

دشواری پیش نہ آئے۔" (۲۶)

سیاق وسباق سے ہٹ کر قرآن کے الفاظ اور آیات کو سمجھنے کی کوشش کرنا گمراہی پر منتج ہوسکتا ہے۔ فہمِ قرآن کے لیے ذاتی رائے کو کافی سمجھ لینا اور اس کے مطابق چل پڑنا شریعت کے منافی ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من تکلّم فی القرآنِ برایۃ فاصاب فَقَدْ اَخْطأَ" (۲۷)

(جس نے محض اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں کچھ کہا اُس نے غلطی کی اگرچہ اُس کی رائے صحیح بھی ہو۔)

بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ حدیث میں صحیح رائے کو بھی مذموم قرار دیا گیا مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اِس سے وہ رائے مراد ہے جو قرآنِ حکیم کے مسلّمہ اصولوں سے متصادم ہو، اگر چہ اس سے کوئی صحیح نتیجے پر پہنچ بھی جائے تو بھی خطا کاری ہے کیونکہ اس نے غلط راستے کا انتخاب کیا جس پر اور لوگ بھی چل سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر کوئی صحیح نتیجے پر ہی پہنچے۔ جسٹس تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"تفسیرِ قرآن میں گمراہی کا سب سے پہلا اور سب سے خطرناک سبب یہ ہے کہ انسان اپنی اہلیت وصلاحیت کو دیکھے بغیر قرآنِ کریم کے معاملے میں رائے زنی شروع کر دے، خاص طور پر ہمارے زمانے میں گمراہی کے اس سبب نے بڑی قیامت ڈھائی ہے، یہ غلط فہمی عام ہوتی جا رہی ہے کہ صرف عربی زبان پڑھ لینے کے بعد انسان قرآن مجید کا عالم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جس طرح سمجھ میں آئے قرآنِ کریم کی تفسیر کر سکتا ہے۔ حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دُنیا کا کوئی بھی علم وفن ایسا نہیں ہے جس میں محض زبان دانی کے بل پر مہارت پیدا ہوسکتی ہو۔ آج تک کسی ذی ہوش نے انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھنے کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا ہوگا کہ وہ ڈاکٹر ہوگیا ہے اور میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر دُنیا پر مشقِ ستم کر سکتا ہے۔۔۔ بلکہ اس کے لیے بڑی بڑی درسگاہوں میں کئی کئی امتحانات سے گزرنا ہوتا ہے۔" (۲۸)

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مَقْعَدَہٗ من النار" (۲۹)

(جس نے بغیر علم کے قرآن کے بارے میں گفتگو کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)

تقی عثمانی صاحب قرآن فہمی کے سلسلے میں ضروری علوم کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تفسیر قرآن کے لیے صرف عربی زبان کی معمولی واقفیت کام نہیں دے سکتی، بلکہ اس کے لیے علم اصولِ تفسیر، علم حدیث، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، علم فقہ، علم نحو، علم صرف، علم لغت، علم ادب اور علمِ بلاغت میں ماہرانہ بصیرت اور اس کے ساتھ ساتھ طہارت وتقویٰ ضروری ہے۔" (۳۰)

فہم حدیث برائے فہم قرآن:

قرآن کا نزول محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہوا۔ قرآن نے کہا:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" (۳۱)

نیز فرمایا گیا "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (۳۲)

مزید فرمایا گیا "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ" (۳۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہ نہیں تھا کہ قرآن کی شکل میں نازل ہونے والے الفاظ ہی کو دوسروں تک پہنچائیں بلکہ مقصد بعثت اس سے کہیں آگے تھا، یعنی کتاب وحکمت کی تعلیم وتفہیم، تشریح وتفسیر اور تزکیۂ نفس، جس کا تذکرہ ایک دوسرے مقام پر یوں ہے:

"يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (۳۴)

گویا نزولِ قرآن کی طرح رسول ﷺ پر اللہ کی طرف سے فہم قرآن کا نزول بھی ہوا اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی قرآنِ حکیم کی بہترین فکری وعملی تفسیر قرار پائی۔ لہٰذا باقی تمام تر لوازمات فہم قرآن پورے ہو بھی جائیں فہم قرآن کی دولت میسر نہیں آسکتی اگر اس کے لیے حضور رسالت مآب ﷺ کی حدیث مبارکہ کا فہم حاصل نہ کیا جائے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ ڈاکٹر سے دوائی تو لے لی جائے مگر اُس کی ہدایت کے مطابق استعمال نہ کی جائے، انجام محتاج وضاحت نہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنے مضمون "ہمہ قرآن درشانِ محمد ﷺ" میں لکھا تھا:

"قرآن اور عملی قرآن یعنی حضورِ انور ﷺ کی حیاتِ طیبہ آپس میں لازم وملزوم ہیں، جس نے حضورِ انور ﷺ کو نہیں دیکھا وہ قرآن کو دیکھ لے، لیکن جن لوگوں

نے پورے قرآن کو نہیں دیکھا تھا اُن کے لیے حضورِ انور ﷺ ہی کافی تھے۔ ان کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ قرآن کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کے احکام کی صحیح عملی تصویر پیش کرتا ہے، جس نے ان کو دیکھ کر قرآن پڑھا اُسی نے ہدایت پائی اور جس نے ان کو دیکھے بغیر اس کا مطالعہ کیا وہ ہدایت سے محروم رہا۔'' (۳۵)

ترجمۂ قرآنِ حکیم برائے فہمِ قرآن:

فہمِ قرآن کا ایک لازمی تقاضا ترجمۂ قرآن ہے۔ یہ ہر زبان کی مجبوری ہے خواہ وہ کتنی ہی زرخیز اور فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو، ترجمے کے بغیر وہ زبان صرف اُنھی لوگوں کے درمیان مقید ہو کے رہ جائے گی جو اُسے جانتے اور سمجھتے ہوں گے۔ باہر کی دُنیا سے اُس کا رابطہ منقطع رہے گا اور دیگر اقوامِ عالم اس زبان سے استفادہ نہیں کر پائیں گی۔ چنانچہ ایک سے دوسری زبان میں ترجمہ ضروری ہوا اور قرآن کے آفاقی پیغام کے پیشِ نظر ترجمۂ قرآن کو بھی ہمہ گیر اہمیت حاصل ہوئی۔ ترجمہ آرامی الاصل لفظ ہے جو بہت پہلے عربی زبان میں داخل ہوا، جس کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں۔ اس سے اسم فاعل ترجمان ہے۔

فہمِ قرآن کے پس منظر میں ترجمے کی اہمیت اگرچہ عرب و عجم دونوں کے لیے ہے، تاہم یہ اہلِ عجم کی اوّلین اور خاص ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ان کے لیے قرآن فہمی کا اور کوئی راستہ نہیں تاوقتیکہ وہ عربی زبان و ادب سے مناسب واقفیت پیدا کریں۔

غیر عربی زبان میں ترجمۂ قرآن کا بنیادی سبب تو یقیناً ضرورتِ عجم ہی ہے۔ تاہم اس کے کچھ اور بھی اسباب ہیں۔ ڈاکٹر صالح عبدالحکیم شرف الدین نے اس سلسلے میں بیان کیا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ اور اصطلاحوں کے متروک ہونے کے باعث نئی نئی اصطلاحیں ایجاد ہوتی ہیں ''لہٰذا کئی ترجمے اس لیے بھی لکھے گئے کہ وہ اس لسانی ارتقاء کا ساتھ دے سکیں۔'' ہر دور کا انسانی معاشرہ مخصوص قدروں اور رجحانات کا حامل ہوتا ہے۔ ''لہٰذا ہر عصر میں علماء نے اس چیز کو ضروری سمجھا کہ اپنے زمانے کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ترجمہ کریں۔'' کچھ ترجموں کی وجہ لوگوں کے ذاتی خیالات کی ترویج بنی تاکہ وہ محض ذاتی طور پر کسی دوسرے کی تائید یا تردید کریں، حصولِ ثواب کی نیت بھی مسلمانوں کے اندر قرآنی تراجم کا باعث بنی۔ بعض تراجم تجارتی مقاصد کے تحت منظرِ عام

پر آئے۔'' بعض دُشمنانِ اسلام نے قرآن کو دانستہ مسخ کرنے کی خاطر اس کے غلط ترجمے کر کے چھاپا ہے۔''(۳۶)

بالخصوص ترجمۂ قرآن مشکل فنون میں سے ہے:

''بسا اوقات تو ایک زبان کا لفظ ٹھیٹ اُسی معنی میں دوسری زبان میں ہوتا ہی نہیں...... محاوروں اور کہاوتوں کے ساتھ بھی یہی مشکلات ہوتی ہیں۔ یہ تو سب انسانی تحریر کے بارے میں ہے۔ چہ جائیکہ کلام اللہ! لہٰذا قرآن کا ٹھیٹ ترجمہ تو کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا نزول تمام اسالیب قرآن کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں کماحقہٗ نہیں کر سکتا۔''(۳۷)

قرآنِ حکیم کے تراجم دُنیا کی تقریباً ہر معروف زبان میں ہو چکے ہیں۔ اس حوالے سے دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ''اب تک قرآن کے تقریباً جتنے بھی ترجمے ہوئے وہ تمام غیر عربی علماء کی محنت اور عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ اب تک کسی عربی عالم نے سنجیدگی سے قرآن کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً ان کو یہ احساس ہی نہ ہوتا ہو کہ غیر عربی دان کے لیے قرآن سمجھنا کتنا مشکل ہے، یا پھر اس احساس کے ہونے کے باوجود اس لیے نہ کیا ہو کہ خود ان کو اس کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس غیر مسلم عربوں نے بائبل سمجھنے کی ضرورت محسوس کی، لہٰذا غیر مسلم عالموں نے بائبل کے تراجم عربی میں خوب کیے ہیں۔''(۳۸)

دعوتِ فکر ہے عرب اہلِ ایمان صاحبانِ علم و دانش کے لیے کہ وہ اپنے مخصوص ذوقِ عربیت کی رُو سے غیر عربی زبانوں میں قرآنِ حکیم کے تراجم کریں اور قرآن کا فہم اپنے عرب پس منظر میں اُجاگر ہو۔

تفسیری تقاضوں کا لحاظ:

قرآن فہمی میں تفسیر و توضیح کا بنیادی کردار ہے۔ لہٰذا مترجم کے لیے ان اوصاف کا حامل ہونا بھی ضروری ہے جن سے قرآن کا مفسر متصف ہوتا ہے۔ اصل میں ترجمہ تفسیر ہی کی ایک شکل ہے۔ دونوں کا مقصد قرآن فہمی ہے۔ دونوں کے تقاضے کم و بیش یکساں ہیں۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ علمِ تفسیر

کے جملہ اصولوں سے بخوبی واقف ہو ورنہ قرآنی پیغام کی درست ترجمانی ممکن نہ ہوگی۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن فہمی کے تقاضوں کے تحت مضمون ہٰذا میں جن نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے وہی نکات تفسیری تقاضوں کے تحت بھی زیر بحث آتے ہیں۔

عصری معاشرتی حالات کی رعایت:

ترجمۃ القرآن کے عنوان کی ضرورت و اہمیت محتاجِ بیان نہیں یہ فہمِ قرآن کا ایک ناگزیر تقاضا ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیشِ نظر غیر عربی زبانوں میں قرآنِ حکیم کے تراجم ہوتے رہیں اور اِس حوالے سے ترجمے کا فن فہمِ قرآن کے حقیقی مقصد سے ہمکنار ہوتا رہے۔ مقصدِ فہمِ قرآن یہ ہے کہ انسانی زندگی میں انقلاب آئے۔ فکری و عملی، انفرادی و اجتماعی انقلاب کہ انسان عقائدِ باطلہ سے نجات پا جائے، اُس کے کردار کی اِصلاح ہو جائے اور وہ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَ فِی الآخِرةِ حَسَنَةً کا حق دار قرار پا جائے۔ لہٰذا ترجمے کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اس کے لیے نہ صرف یہ کہ عربی زبان و ادب اور جس زبان میں ترجمہ کرنا مقصود ہو اُس پر مکمل عبور اور دسترس حاصل ہو بلکہ حدِ درجہ احتیاط، تقویٰ اور علوم الحدیث سے بخوبی آگاہی کی بھی ضرورت ہے۔ من مانے مفاہیم و مطالب پیدا کرنے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے گریز لازم ہے۔ مبالغہ آمیزی پر مبنی تراجم عوام الناس میں گمراہی کا باعث بنتے ہیں اور فہمِ قرآن کا حقیقی مقصد فوت ہو کے رہ جاتا ہے۔ آج کا معاشرہ جس موڑ پہ آ پہنچا ہے اور عالمِ اسلام جس مقام پر کھڑا ہے وہاں وقت کے بہت سے نئے تقاضے جنم لے رہے ہیں۔ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے الزام کی لپیٹ میں صرف عالمِ اسلام ہی کیوں؟ کیا دہشت گردی کا کوئی جامع معنی و مفہوم متعین ہونا چاہیے یا نہیں؟ آزادیٔ صحافت کی آڑ میں پیغمبرِ اسلام حضور محسنِ انسانیت ﷺ کے حوالے سے توہینِ رسالت کا بار بار اِرتکاب، ایسے سلگتے ہوئے مسائل ہیں جن کے مؤثر، قطعی اور دوٹوک حل کے لیے غیرت ایمانی، تزکیۂ نفس اور بلند علمی و تحقیقی معیار پر مبنی قرآنی تراجم اور مکالمۂ فطرت کی پکار اور وقت کی آواز بن چکا ہے۔ (وماعلینا الا البلاغ)

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱:	البقرہ: (۲) ۲۳
۲:	ایضاً	//	۰۲
۳:	ایضاً	//	۰۲
۴:	ایضاً	//	۱۸۵
۵:	الاسراء (۱۷) ۹
۶:	البقرہ: (۲) ۲۶
۷:	القمر (۵۴) ۱۷
۸:	ملک غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انوار القرآن (ملک سنز لاہور ۱۹۸۶ء) ۱/۳۷
۹:	افتخار احمد بلخی، مولانا، مضمون بعنوان: قرآن مجید کا طرزِ استدلال، قرآن نمبر، سیارہ ڈائجسٹ (ادارۂ معارف اسلامیہ کراچی، مدیر اعلیٰ: پروفیسر خورشید احمد، نومبر ۱۹۶۹ء) ۱/۳۳۱
۱۰:	سیّد قطب شہید، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری (طارق اکیڈمی فیصل آباد، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۳۶۱)
۱۱:	اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہِ پنجاب لاہور) ۱۶/۱/۳۳۳
۱۲:	البقرہ: (۲) ۴
۱۳:	عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم (دارالحدیث القاہرہ)
۱۴:	حم سجدہ (۴۱) ۴۴
۱۵:	مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۱/۱۲۸
۱۶:	مودودی، تفہیم القرآن ۱/۵۱
۱۷:	البقرہ: (۲) ۲۸۹

۱۸: ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ۳۱۵/۶

۱۹: مولانا سعید احمد اکبرآبادی، فہم قرآن (ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی جنوری ۱۹۸۲ء) ص:۴۱

۲۰: النجم (۵۳) ۳۹

۲۱: العنکبوت (۲۹) ۶۹

۲۲: المائدہ (۵) ۱۱۶، التوبہ (۹) ۱۰۰، المجادلہ (۵۸) ۲۲، البینۃ (۹۸) ۸

۲۳: سیّد معروف شاہ شیرازی، مضمون بعنوان: قرآن سے صحابہؓ کا طریق استفادہ، قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ۔

۲۴: سیّد احمد اکبرآبادی، فہم قرآن، ص:۲۷

۲۵: البقرہ: (۲) ۲۰۳

۲۶: سعید احمد اکبرآبادی، فہم قرآن، ص:۴۶

۲۷: حافظ ابنِ کثیر، مقدمہ تفسیر ابنِ کثیر

۲۸: محمد تقی عثمانی، علوم القرآن (مکتبہ دارالعلوم کراچی، س ن) ص:۳۵۹

۲۹: حافظ ابنِ کثیر، مقدمہ تفسیر ابنِ کثیر۔

۳۰: محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، ص:۳۶۱

۳۱: النجم (۵۳) ۳ ۳۲: النحل (۱۶) ۴۴ ۳۳: النحل (۱۶) ۶۴

۳۴: آلِ عمران (۳) ۱۶۴، الجمعہ (۶۲) ۲

۳۵: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، مضمون بعنوان: ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ، رسول نمبر ﷺ، نقوش، ۸۹/۱

۳۶: ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اُردو تراجم (قدیمی کتب خانہ کراچی، س۔ن) ص:۶۷۔۶۹

۳۷: ایضاً // // // ص:۷۰

۳۸: ایضاً // // // ص:۷۰۔۷۱